© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رحیمیہ، دیوبند، ۱۳۸۵ھ ۱۹۶۵ء اس طباعت میں مطبعی اغلاط بہت ہیں۔ قارئین کی سہولت اور ان کا وقت بچانے کے لئے ہم نے انھیں درست کر کے لکھا ہے۔

(۲۸) چہارم ترجمہ قرآن / ۷ ۱۳ محولہ بالا یہاں بھی طباعت میں کچھ تسامح ہے جسے ہم نے ٹھیک کر دیا۔

(۳۱) حواشی الفراہی علی القرآن المجید : ۱/ ۱۰۹، محولہ بالا (۳۲)۔(۳۳) حواشی، حوالہ سابق

(۳۴) تدبر قرآن : ۱/ ۶۹۷۔ (۳۵)۔(۳۶) تدبر قرآن : ۱/ ۷۰۸۔

(۳۷) تدبر قرآن : ۱/ ۵۹۹

(۳۸) اسکی تفصیل کے لئے ہمارا مضمون 'شریعت کا اصول عرف و عادت اور موجودہ حالات میں اس کی معنویت' مطبوعہ۔ مجلّہ علوم اسلامیہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ۱۹۹۷ء جلد ۲۲۔ شمارہ ۲

(۳۹) اس کے لئے : حضرت شیخ الہند ۲۔ مولانا تھانوی اور ۳۔ مولانا مودودی کے تراجم مع حواشی ہمارے پیش نظر ہیں۔ مزید مراجعت سے یہ نکتہ مزید نکھر سکتا ہے۔ لفظ امانت، سے استدلال کئے بغیر شئ مرہون سے استفادے کی کراہت کا نکتہ البتہ مولانا مودودی کے یہاں اس سے پہلے سے ہے۔ تفہیم القرآن، ۱/ ۲۲۱، مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی ہند تیرہواں ایڈیشن جنوری ۱۹۷۱ء

(۴۰) حواشی الفراہی غیر مطبوعہ / ۹۳، محولہ بالا۔

(۴۱) تدبر قرآن، ۱/ ۸۳۵، طبع مذکور

فالحمدالله اولاآخر والصلوة والسلام على رسوله الامين وعلى اله وصحبه اجمعين الى يوم الدين

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تدبر قرآن میں لفظ "یطیقون" کی لغوی تحقیق

محمد اجمل اصلاحی

مولانا امین احسن اصلاحیؒ کی تفسیر "تدبر قرآن" اپنی گوناگوں خصوصیات کی بنا پر اردو ہی نہیں بلکہ پورے تفسیری ذخیرے میں ایک منفرد مقام رکھتی ہے۔ اس کتاب کی بنیاد مصنف نے اپنے استاد امام فراہیؒ کے تفسیری اصولوں پر رکھی ہے۔ چنانچہ اس میں فہم قرآن کے دوسرے داخلی اور خارجی وسائل کے ساتھ قرآن کی زبان پر خاص توجہ دی گئی ہے۔ امام فراہیؒ نے اپنی تفسیر میں مطالب کی جو ترتیب رکھی ہے اس میں وہ بطور مقدمہ پہلے سورہ کے عمود، نظم اور ما قبل و مابعد سورہ سے ربط پر روشنی ڈالتے ہیں، پھر سورہ کی آیات کو متعدد مجموعوں میں تقسیم کر کے ہر مجموعہ پر علیحدہ علیحدہ بحث کرتے ہیں۔ اس بحث یں پہلی فصل جو آتی ہے اس کا عنوان "تفسیر الکلم و تاویل الجمل" ہوتا ہے۔ مولانا اصلاحی نے بھی تدبر قرآن میں یہی ترتیب رکھی ہے اور "الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت" کا عنوان مقرر کیا ہے۔

مولانا اصلاحی نے تفسیر پر کام شروع کیا تو خوش قسمتی سے ان کے سامنے الفاظِ قرآن پر استاذ کی تحقیقات کا وافر ذخیرہ درج ذیل شکلوں میں موجود تھا:

۱۔ تفسیر سورۂ بقرہ (تقریباً ۷۸ الفاظ)

یہ تفسیر جو امام فراہیؒ کے طرز تفسیر کا آخری نمونہ ہے اور اب شائع ہو چکی ہے اگرچہ صرف آیت ۶۵ تک ہے مگر قرآن کے بہت سے بنیادی الفاظ اس میں آگئے ہیں، مثلاً ایمان، کفر، نفاق، صلوۃ، زکوۃ، رکوع، سجود، ھدی، فلاح، فسق، تسبیح، تقدیس، سبحانک، غیب......وغیرہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲۔ مفردات القرآن (۳۵۴ الفاظ)

مطبوعہ مفردات القرآن ۷۹ الفاظ پر مشتمل ہے جن میں ۲۶ الفاظ تفسیر سورہ بقرہ اور باقی مطبوعہ تفسیری اجزا سے ماخوذ ہیں۔

۳۔ مطبوعہ تفسیری اجزا (تقریباً ۱۰۰ الفاظ)

۴۔ بعض متفرق الفاظ جو دوسری مطبوعہ کتابوں، غیر مطبوعہ مسودات اور زیر مطالعہ کتابوں کے حواشی میں آئے ہیں (تقریباً ۳۰ الفاظ)

مجموعی تعداد تقریباً ۲۷۰ ہوتی ہے۔ فی الجملہ قرآن مجید کے بیشتر اہم اور مشکل الفاظ کی تشریح اس مجموعہ میں مل جاتی ہے۔ مولانا اصلاحی نے تدبر قرآن میں اس مواد سے بھرپور فائدہ اٹھایا ہے۔ کہیں بغیر کسی ردوبدل کے استاذ کی تحقیق کا مکمل اردو ترجمہ پیش کر دیا ہے اور کہیں حسب ضرورت حذف واضافہ اور تقدیم وتاخیر سے کام لیا ہے۔

تفسیر کے مقدمہ میں مولانا اصلاحی نے اپنے استاذ سے استفادہ کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

> ”مجھے بڑا فخر ہوتا اگر میں یہ دعویٰ کر سکتا کہ اس کتاب میں جو کچھ بھی ہے سب استاذ مرحوم ہی کا افادہ ہے، اس لئے کہ اصل حقیقت یہی ہے۔ لیکن میں یہ دعوی کرنے میں صرف اس لئے احتیاط کرتا ہوں کہ مبادا میری کوئی غلطی ان کی طرف منسوب نہ ہو جائے۔“(۱)

اس عمومی تذکرے کے بعد مولانا اصلاحی نے استاذ کا حوالہ دینے کا التزام صرف انہی مقامات پر کیا ہے جہاں کوئی نئی تحقیق، مفصل بحث یا ایسی معلومات ہو جو مولانا اصلاحی کے دائرہ مطالعہ سے خارج ہو۔

مولانا اصلاحی عربی زبان کے ماہر اور مزاج شناس ادیب تھے۔ مشہور عرب شعراء کے دواوین اور قدیم عربی شاعری کے مجموعوں پر ان کی نظر تھی۔ لیکن تدبر قرآن چونکہ اردو زبان میں لکھی گئی ہے اور اس کے قارئین کی ایک بڑی تعداد عربی زبان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے واقف نہیں اس لئے انھوں نے الفاظ کی تحقیق میں زیادہ توسع سے کام نہیں لیا اور استاذ کی تحقیقات نقل کرنے میں بھی چند مقامات کے سوا کلام عرب سے شواہد پیش کرنے سے حتی الامکان گریز کیا ہے۔ اس باب میں اپنے نہج کی وضاحت کتاب کے مقدمہ میں ان الفاظ میں کی ہے :

"کتاب کو ثقالت سے بچانے کے لئے کلام عرب کے حوالے بھی میں نے زیادہ نہیں دیئے ہیں۔ صرف بقدر کفایت ہی دیئے ہیں۔ یہ کتاب اردو میں ہے اور اس کے پڑھنے والوں کی غالب تعداد ایسے ہی لوگوں پر مشتمل ہوگی جو عربی سے ناواقف ہوں گے۔ ایسے لوگوں کے لئے شعر عرب کے حوالے نامانوس بھی ہوں گے اور غیر مفید بھی۔ اس کمی کی تلافی میں نے قرآن مجید کے نظائر و شواہد سے اچھی طرح کر دی ہے اور یہ بات اپنی جگہ پر مسلم ہے کہ قرآن کی تفسیر خود قرآن سے سب سے زیادہ قابل اطمئنان تفسیر ہے۔ تاہم یہ بات نہیں ہے کہ کلام عرب کو میں نے بالکل ہی نظر انداز کر دیا ہو، اہم ادبی اور نحوی اشکالات کے مواقع میں اس سے بھی میں نے پورا فائدہ اٹھایا ہے اور اس کے حوالے بھی نقل کئے ہیں۔" (۲)

چنانچہ مولانا اصلاحی نے عام طور پر الفاظ کی تشریح میں اختصار ملحوظ رکھا ہے۔ لیکن بعض مقامات ایسے بھی ہیں جہاں انھوں نے ایک ماہر زبان کی طرح لفظ کے سارے پہلوؤں پر نہایت وضاحت اور بالغ نظری سے روشنی ڈالی ہے۔ اس مضمون میں اسی طرح کے ایک مقام پر گفتگو کی گئی ہے۔

سورہ بقرہ میں روزے کے جو احکام بیان کئے گئے ہیں ان کی ابتدائی تین آیات اور تدبر قرآن سے ان کا ترجمہ ملاحظہ ہو : (۳)

یا ایھالذین آمنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون ـأیاما معدودات فمن کان منکم مریضا أو علی سفر فعدۃ من أیام أخر و علی الذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین فمن تطوع

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خيرا فهو خير له و أن تصوموا خير لكم إن كنتم تعلمون۔ شهر رمضان الذی انزل فيه القرآن هدی للناس وبينات من الهدی والفرقان فمن شهد منكم الشهر فليصمه ومن كان مريضا أوعلی سفر فعدة من أيام اخر يريد الله بكم اليسر ولا يريدبكم العسر ولتكملو العدة ولتكبروا الله علی ماهداكم ولعلكم تشكرون۔ (۱۸۳-۱۸۵)

ترجمہ:اے ایمان والو تم پر بھی روزہ فرض کیا گیا ہے جس طرح تم سے پہلے والوں پر فرض کیا گیا تھا، تاکہ تم تقویٰ حاصل کرو (۱۸۳) گنتی کے چند دن۔ اس پر بھی جو کوئی مریض ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے دنوں میں تعداد پوری کردے۔ اور جو لوگ ایک مسکین کو کھانا کھلا سکیں ان پر ایک روزے کا بدلہ ایک مسکین کا کھانا ہے۔ اور جو کوئی مزید نیکی کرے تو وہ اس کے لئے زیادہ بہتر ہے۔ اور یہ کہ تم روزہ رکھو یہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے۔ اگر تم سمجھو۔ (۱۸۴) رمضان کا مہینہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا۔ لوگوں کے لئے ہدایت بنا کر اور ہدایت اور حق وباطل کے درمیان امتیاز کے کھلے دلائل کے ساتھ۔ سو جو کوئی تم میں سے اس مہینے میں موجود ہو وہ اس کے روزے رکھے اور جو بیمار ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں میں گنتی پوری کرے۔ اللہ تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے، تمہارے ساتھ سختی نہیں کرنا چاہتا۔ اور چاہتا ہے کہ تم تعداد پوری کرو۔ اور اللہ نے جو تمہیں ہدایت بخشی ہے اس پر اس کی بڑائی کرو اور تاکہ تم اس کے شکر گزار بنو (۱۸۵)۔ (۴)

مندرجہ بالا آیات میں دوسری آیت کے الفاظ "وعلی الذين يطيقونه فدية طعام مسكين" کی تاویل میں مفسرین کے درمیان اختلاف ہے۔ امام طبری نے درج ذیل اقوال نقل کئے ہیں :

(۱) ابتدا میں جب روزے فرض کئے گئے تو یہ اختیار دیا گیا کہ جو لوگ روزے نہ رکھنا چاہیں وہ ہر روزے کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلادیں۔ بعد میں یہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اجازت منسوخ ہو گئی۔ دلیل میں حضرت سلمہ بن الاکوعؓ کی روایت پیش کی جاتی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو جو چاہتا روزے نہ رکھتا اور فدیہ دے دیتا، یہاں تک کہ اس کے بعد والی آیت اتری جس نے یہ حکم منسوخ کر دیا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے بھی مروی ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے۔ (۵) یہ دونوں روایتیں امام بخاریؒ نے "باب فمن شهد منكم الشهر فليصمه" کے تحت نقل کی ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک ناسخ یہی آیت ہے جیسا کہ بہت سی دوسری روایات میں تصریح ہے۔ (۶) مگر ابن ابی لیلیٰ کی روایت میں جو اسی مضمون کی ہے اور عمومی طور پر صحابہؓ سے نقل کی گئی ہے ناسخ "وأن تصوموا خير لكم" کو قرار دیا گیا ہے۔ یہ روایت بھی امام بخاری نے باب "وعلى الذين يطيقونه فدية طعام مسكين" میں نقل کی ہے۔ (۷)

(۲) دوسرا قول یہ ہے کہ یہ آیت ایسے سن رسیدہ مردوں اور عورتوں کے لئے مخصوص تھی جو روزہ رکھنے کی استطاعت رکھتے ہوں اور انہیں یہ رعایت دی گئی تھی کہ اگر چاہیں تو روزہ نہ رکھیں اور فدیہ دیدیں۔ بعد میں اس حکم کو "فمن شهد منكم الشهر فليصمه" نے منسوخ کر دیا اور جوانوں کی طرح ان بوڑھوں کے لئے بھی روزہ رکھنا ضروری قرار دیا گیا، البتہ جب وہ روزے رکھنے سے عاجز ہو جائیں تو جو حکم نسخ سے پہلے ان کے لئے تھا وہ بحال ہو جائے گا۔ اس قول کی تائید میں امام طبری نے حضرت عبداللہ بن عباس، عکرمہ، قتادہ اور ربیع سے روایات نقل کی ہیں۔ (۸)

(۳) تیسرا قول یہ ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہے بلکہ محکم ہے۔ مطلب یہ کہ جو لوگ جوانی اور صحت و طاقت کے زمانے میں روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہوں، جب بیمار پڑ جائیں یا بوڑھے ہو جائیں اور بیماری یا بڑھاپے کی وجہ سے روزہ نہ رکھ سکیں تو ان پر فدیہ ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ روزہ کی قدرت رکھتے ہوئے روزہ نہ رکھنے اور فدیہ دینے کی رخصت دی گئی تھی۔

اس مضمون کی روایات حضرت ابن عباس، سدی اور سعید بن المسیب سے نقل کی گئی ہیں۔ (۹)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۴) گذشتہ تاویلات میں "یطیقونہ" میں ضمیر غائب کا مرجع "صیام" کو قرار دیا گیا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد "طعام" یعنی فدیہ ہے۔ یہ تاویل امام طبری نے بصرہ کے کسی عالم عربیت کے حوالہ سے نقل کی ہے، لیکن صرف اس بنا پر اسے در خور اعتنا نہیں سمجھا ہے کہ وہ "اہل علم" یعنی اہل تفسیر سے مروی نہیں ہے۔(۱۰)

حضرت عبداللہ بن عباس سے "یطیقونہ" کی جگہ پر ایک شاذ قراءت "یُطَوَّقُونَہ" کی روایت کی گئی ہے۔ اس لفظ کی تشریح بھی ایک روایت میں ان سے نقل ہوئی ہے: "هم الذين يتكلفونه ولا يطيقونه" یعنی جو روزہ رکھنے کی زحمت اٹھاتے ہیں اور اس کی طاقت نہیں رکھتے۔ امام طبری نے اس قراءت پر سخت تنقید کی ہے۔ (۱۱) شاذ ہونے کی وجہ یہ قراءت قابل التفات نہیں مگر ہم نے یہاں اس کا ذکر اس بنا پر کیا کہ مفسرین پر یہ قراءت مسلسل اثر انداز ہوتی رہی ہے۔

اب آیت کا سادہ ترجمہ اور مذکورہ اقوال کی روشنی میں اس کی تاویل ملاحظہ ہو:

آیت : وعلى الذين يطيقونه فدية طعام مسكين

ترجمہ : اور جو لوگ اس کی استطاعت رکھتے ہوں ان پر فدیہ ہے، ایک مسکین کا کھانا۔

تاویل-۱ : اور جو لوگ روزے کی استطاعت رکھتے ہوں (اور روزہ نہ رکھنا چاہیں) ان پر فدیہ ہے ....

تاویل-۲ : اور جو (سن رسیدہ) لوگ روزے کی استطاعت رکھتے ہوں (اور روزہ نہ رکھنا چاہیں) ......

تاویل-۳ : اور جو لوگ (جوانی اور صحت و قوت کے زمانے میں) روزے کی استطاعت رکھتے ہوں (جب بیمار پڑ جائیں یا بوڑھے ہو جائیں اور روزہ نہ رکھ سکیں) ان پر فدیہ ......

تاویل-۴ : اور جو لوگ فدیہ دے سکتے ہوں ان پر فدیہ ہے ......

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

امام طبری نے پہلے قول کو ترجیح دی ہے۔ امام رازی کہتے ہیں کہ اکثر مفسرین کا یہی مسلک ہے۔ (۱۲) اس مضمون کا مقصد آیت کی صحیح تاویل کے بجائے محض لفظ "یطیقونہ" کی تحقیق ہے۔ اس پہلو سے اگر امام طبری کی ذکر کردہ چاروں تاویلات پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ ان سب میں اس لفظ کے معنی استطاعت رکھنے کے لئے گئے ہیں اور مجوزہ تاویل تک پہنچنے کے لئے مقدرات و محذوفات کا سہارا لیا گیا ہے۔ دوسرے لفظوں میں لفظ "یطیقونہ" کے لغوی معنی میں امام طبری (۳۱۰ھ) کے زمانہ تک اہل تفسیر اور علمائے عربیت کے درمیان کوئی اختلاف نہیں تھا اور بالاتفاق وہ اس لفظ کو طاقت رکھنے اور استطاعت کے معنی میں جانتے تھے جو شریعت میں تکلیف احکام کے لئے معتبر ہے۔

طریق تاویل میں اختلاف کے باوجود چونکہ دوسری اور تیسری تاویلوں کا ماحصل ایک تھا یعنی فدیہ ان لوگوں کے ذمہ ہے جو روزہ رکھنے کی طاقت نہ رکھتے ہوں۔ اس لئے بعد کے مفسرین نے انہیں ایک قول میں ضم کردیا اور اختصار کے طور پر طریق تاویل کے بجائے صرف ماحصل بیان کرنے پر اکتفا کیا چنانچہ "یطیقونہ" کی تفسیر "لا یطیقونہ" کردی۔ ان کا مقصود اس لفظ کی لغوی تشریح نہیں بلکہ محض آیت کا مفاد بیان کرنا تھا۔ (۱۳)

دوسری طرف بعض مفسرین نے جب یہ دیکھا کہ تاویل مطلوب قرآنی الفاظ سے متصادم ہے اور اس تک پہنچنے میں سراسر تکلف اور بے جا محذوفات کا سہارا لینا پڑتا ہے، نیز مشہور تاویل پر بعض اعتراضات سامنے آئے تو انھوں نے اس رخ پر غور کرنا شروع کیا کہ براہ راست لفظ "یطیقونہ" سے طاقت نہ رکھنے کے معنی مراد نہیں لئے جاسکتے؟ یعنی کیا اس اثبات سے نفی کی تراوش ممکن نہیں؟ اگر لغت اور قواعد کی رو سے کوئی گنجائش اس کی شکل نکل آئے تو مطلب صاف ہوجائے گا اور حضرت ابن عباسؓ سے منقول شاذ قراءت "یُطَوَّقُونَہ" سے مطابقت بھی پیدا ہوجائے گی جس کی تشریح ایک روایت "یتکلفونہ ولا یطیقونہ" سے کی گئی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چنانچہ کسی بزرگ نے دعویٰ کیا کہ "یطیقونہ" کے معنی "لایطیقونہ" آسکتے ہیں کیونکہ فعل مضارع سے پہلے کبھی کبھی حرف نفی حذف کردیتے ہیں۔ دلیل میں وہ اشعار پیش کیے جن میں قسم کا اسلوب وارد ہے، مثلاً امراؤالقیس کا یہ شعر ہے

فقلت یمین اللّٰہ ابرح قاعداً   ولو قطعوا رأسی لدیك واوصالی

ترجمہ: تو میں نے کہا: خدا کی قسم میں یہیں بیٹھا رہوں گا، خواہ یہ لوگ تمہارے پاس میرا سر قلم کردیں اور میرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کرڈالیں۔

یہاں "أبرح" سے پہلے لائے نفی محذوف ہے۔ ابو حیان اندلسی (۷۵۴ھ) نے ان بزرگ کا نام ذکر نہیں کیا البتہ اشعار کو نقل کرنے کے بعد لکھا کہ لائے نفی کا حذف صرف قسم میں جائز ہے اور جو اشعار دلیل میں پیش کیے گئے ہیں ان سب میں قسم آئی ہوئی ہے۔ یہ بات کہ قسم میں ایسا کیوں جائز ہے کتب نحو میں مذکور ہے۔ (۱۴) زمخشری (۵۲۸ھ) ابن عطیہ (۵۴۶ھ) رازی (۶۰۴ھ) میں سے کسی نے اس قول کی طرف اشارہ نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قائل کا زمانہ ساتویں آٹھویں صدی کا ہوگا۔

ایک نکتہ یہ پیش کیا گیا ہے کہ باب افعال کے خواص میں ایک خاصہ سلب ماخذ ہے۔ مثلاً شکا یشکو کے معنی شکایت کرنے کے ہیں جبکہ "أشکی" کے معنی شکایت دور کرنے کے ہیں۔ آیت مذکورہ میں بھی لفظ اطاقہ سلب ماخذ کا فائدہ دے رہا ہے۔ (۱۵) اول تو سلب ماخذ کی مثالیں ہی بہت نادر ہیں، دوسرے زبان میں اس کا کوئی ثبوت بھی ملنا چاہیے۔ لفظ اطاق کے سلسلہ میں ایسا کوئی ثبوت مدعی نے پیش نہیں کیا اور پیش بھی کیا کرتا کہ قرآن و حدیث، کلام عرب اور کتب لغت کا سارا ذخیرہ اس کے وجود سے خالی ہے۔

تیسری کوشش یہ کی گئی کہ لفظ اُطاق کو "مشکل سے طاقت رکھنے" کے معنی میں پیش کیا جائے یہ معنی حضرت ابن عباس سے مروی شاذ قراءت "یُطَوَّقُوْنَ" کے بیان کیے گئے تھے اور بعض لوگوں نے اس قراءت کو تفسیر قرار دیا تھا، یعنی حضرت ابن عباس "یطیقون" کی تشریح کے طور پر "یطوقون" کہتے تھے۔ اگر یہ کوئی قراءت تھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تو شاذ ہونے کی وجہ سے اس کی کوئی اہمیت نہیں اور اگر "یطیقون" کی تفسیر ہے تو اس کے وہی معنی ہونے چاہئیں جو "یطیقون" کے ہیں یعنی طاقت رکھنے کے۔

امام طبری کے عہد تک جیسا کہ گذر چکا ہے "یطیقون" کے لغوی معنی میں مشقت اور زحمت کا کوئی اشارہ نہیں ملتا۔ زمخشری (۵۲۸ھ) نے قراءت شاذہ "یطوقون" کی تشریح کی تو اس کے دو معنی بتائے۔ ایک "یطیقون" کے دوسرے "یکلفونه أو یتکلفونه علی جهد منهم وعسر" کے۔ اس کے بعد لکھا کہ "ویجوز أن یکون هذا معنی یطیقونه أی یصومونه جهدهم وطاقتهم ومبلغ وسعهم" (۱۶) یعنی ممکن ہے یہی معنی "یطیقونه" کے بھی ہوں کہ وہ انتہائی مشقت سے روزہ رکھ پاتے ہوں۔ زمخشری نے یہ بات بعض تفسیری روایات کے زیر اثر محض احتمال کے طور پر کہی جیسا کہ ان کے الفاظ سے ظاہر ہے۔ حقیقت میں اس کی پشت پر کوئی دلیل اور بنیاد نہیں تھی، مگر شاید بعد کے مفسرین نے اس سے فائدہ اٹھایا۔ چنانچہ امام رازی (۶۰۴ھ) نے ایک تاویل کی تقریر میں لکھا: "لایقال فی العرف للقادر القوی انه یطیق هذا الفعل، لان هذا اللفظ لایستعمل حق من یقدر علیه مع ضرب من المشقة" (۱۷) یعنی عرف میں ایک طاقتور صاحب قدرت شخص کے بارے میں یہ نہیں کہا جاتا کہ "وہ اس کام کی طاقت رکھتا ہے" یہ لفظ اسی شخص کے لئے استعمال کرتے ہیں جو ایک گونہ مشقت کے ساتھ وہ کام انجام دے سکتا ہو۔

ممکن ہے یہ عرف امام رازی کے زمانے کا عرف ہو، ورنہ جہاں تک قرآن و حدیث اور ان کے مخاطبین کی زبان کا تعلق ہے وہ اس عرف کے یکسر خلاف واقع ہوئی ہے جیسا کہ آگے واضح ہوگا۔

امام رازی نے ایک اور جگہ "وسع" اور "طاقۃ" کے درمیان یہ فرق بتایا کہ کوئی کام اگر آسانی سے انجام دیا جا سکے تو اسے "وسع" کہیں گے اور زحمت و مشقت اٹھانی پڑے تو اسے "طاقۃ" کہیں گے۔ اس فرق کی روشنی میں "وعلی الذین یطیقونه" کی تفسیر "علی الذین یقدرون علی الصوم مع الشدة والمشقة" کی۔ (۱۸) لفظ طاقت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں مشقت کا لفظ پایا جاتا ہے یہ بات غالباً سب سے پہلے امام راغب اصفہانی (۴۱۲ھ) نے کہی۔ انھوں نے طاقت کی تعریف یہ کی "اسم لمقدار مایمکن للانسان أن یفعله بمشقة" یہیں سے نقل در نقل ہوتے یہ تعریف لسان العرب میں داخل ہوگئی۔ (۱۹) آیت صیام میں امام راغب نے لفظ "یطیقون" کو معروف معنی میں ہی لیا اور مشقت کا مفہوم شامل نہیں کیا۔ لیکن تکلیف مالا یطاق سے بچنے کے لئے لفظ طاقت کی یہ تعریف کر ڈالی اور آیت کریمہ ربنا ولا تحملنا مالا طاقة لنا به کے بارے میں لکھا کہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جس کے اٹھانے پر ہم قادر نہ ہوں (مالا نقدر علیه) بلکہ جس کا اٹھانا ہمارے لئے مشکل ہو (مایصعب علینا مزاو لته)۔ (۲۰) امام راغب کو غلط فہمی ہوئی۔ اگر طاقت میں مشقت کا معنی ہوتا تو نفی کی ضرورت ہی نہ تھی۔ ولا تحملنا مالا طاقة لنا به کا وہی مفہوم ہوتا جو وہ لینا چاہتے ہیں۔ نفی کی صورت میں وہ یہ مفہوم لینا چاہتے ہیں تو اس کی بنیاد یہ نہیں ہے کہ طاقت میں مشقت کا مفہوم داخل ہے بلکہ نفی سے کبھی نفی کامل مراد ہوتی ہے اور کبھی مبالغہ مقصود ہوتا ہے۔ چنانچہ جب کسی کام کے بارے میں ہم اردو میں کہتے ہیں کہ: "یہ ہمارے بس میں نہیں ہے" تو بسا اوقات کہنا یہ ہوتا ہے کہ سخت مشکل ہے۔

امام راغب کے ایک معاصر ابو ہلال عسکری (۴۰۰ھ کے بعد) نے قدرت اور طاقت کا فرق بیان کرتے ہوئے لکھا کہ طاقت قدرت کی انتہا کو کہتے ہیں یعنی کسی کام میں اپنی ساری قوت نچوڑ دی جائے۔ اسی بنا پر اللہ تعالیٰ کے لئے "مطیق لذلك" کی تعبیر مستعمل نہیں۔ اس فرق کی وضاحت کے لئے ابو ہلال نے یہ جملہ مثال میں پیش کیا ہے: " هذا طاقتی" یعنی یہی کچھ میرے بس میں ہے۔ (۲۱) حالانکہ یہ جملہ اس فرق کی دلیل ہرگز نہیں بن سکتا۔ لفظ طاقت ہی پر کیا موقوف ہے اس جملہ میں تو اس کی جگہ پر وسع، مستطاع، مقدور یا اس طرح کا کوئی بھی لفظ رکھ دیں تو جملہ کا یہی مفہوم ہوگا۔ یہی اسلوب مشہور رجز کل امری مجاهد بطوقه (ایک روایت کے مطابق) میں بھی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص اپنی طاقت بھر لڑتا ہے۔ طوق کے معنی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طاقت کے ہیں۔ ابو ہلال عسکری کے پیش کردہ جملہ کی طرح اس رجز میں بھی لفظ 'طوق' اپنے انتہائی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ بعض لوگوں نے اس رجز کی تشریح میں الطّوق کے معنی أقصى الطاقة بیان کئے تو ان کا مقصد اس جملہ میں لفظ کے مضمرات کو سامنے لانا تھا نہ کہ 'الطّوق' اور 'الطاقة' کے درمیان یہ فرق بتانا کہ طاقت کی انتہا کو طوق کہتے ہیں۔ جیسا کہ خطابی (۳۸۸ھ)(۲۲) اور ابو موسیٰ المدینی (۵۸۱) کے بیانات سے شبہ ہوتا ہے۔(۲۳)

الغرض 'وسع' اور 'طاقة' کے درمیان امام رازی اور 'قدرة' اور 'طاقة' کے درمیان ابو ہلال عسکری کا بیان کردہ فرق نیز امام راغب نے لفظ طاقت کی جو تعریف کی ہے، ان سب کی کوئی مضبوط بنیاد نہیں ہے۔ لفظ طاقت کے استعمالات۔ جیسا کہ آئندہ صفحات میں آپ دیکھیں گے ان بیانات کی نفی کرتے ہیں۔ لیکن اس سے پہلے آیئے دیکھیں مولانا امین احسن اصلاحی نے ان اقوال پر کس جامعیت اور بالغ نظری سے نقد کرتے ہوئے اپنی تحقیق پیش کی ہے:

مولانا اصلاحی کی تحقیق

مولانا "ایک غلط تاویل" کے عنوان سے رقمطراز ہیں:

"وعلى الذين يطيقونه فدية طعام مسكين" کا مطلب عام طور پر لوگوں نے یہ لیا ہے کہ شروع شروع میں جب روزوں کا حکم نازل ہوا تو چونکہ اہل عرب اس سخت عبادت کے عادی نہ تھے اس وجہ سے ان کی آسانی کے لئے یہ گنجائش رکھی گئی کہ جو شخص روزہ رکھنے کی قدرت کے باوجود روزہ نہ رکھنا چاہے وہ ایک روزہ کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا دے۔ بعد میں یہ اجازت منسوخ کر دی گئی لیکن یہ تاویل کسی طرح بھی صحیح نہیں معلوم ہوتی۔

اول تو روزہ کی فرضیت کیا ہوئی جب کہ اس بات کی کھلی اجازت موجود تھی کہ کوئی شخص چاہے تو روزہ رکھے، نہ چاہے تو نہ رکھے۔ اس کی جگہ ایک مسکین کو کھانا کھلا دے۔ اگر روزے کے ابتدائی حکم کی نوعیت یہ تھی تو كتب عليكم الصيام (تم پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

روزے فرض کیے گئے) کا ٹکڑا بالکل غیر ضروری سا ہو جاتا ہے کیونکہ اس صورت میں اس کی فرضیت بالکل بے اثر ہو کر رہ جاتی ہے۔

دوسری یہ کہ یہ کس قدر عجیب و غریب بات ہے کہ ایک طرف تو مریض اور مسافر دونوں کے لئے دوسرے دنوں میں اپنے قضا کیے ہوئے روزوں کی تعداد روزے رکھ کر پورے کرنے کا حکم ہو، جیسا کہ "فمن کان منکم مریضا أو علی سفر فعدۃ من ایام أخر" کے الفاظ سے واضح ہے اور دوسری طرف یہ آزادی ہو کہ جو شخص چاہے روزے رکھے اور جو شخص چاہے مقدرت کے باوجود نہ رکھے۔ صرف ایک مسکین کو کھانا کھلا دے۔ اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ مریض اور مسافر پر تو یہ پابندی ہے کہ وہ روزے ضرور رکھیں۔ یہاں تک کہ اگر سفر یا مرض کے سبب سے متعین دنوں میں نہ رکھ سکیں تو دوسرے دنوں میں یہ گنتی پوری کریں۔ درآں حالیکہ دوسروں پر کسی حالت میں بھی روزے رکھنا ضروری نہیں۔ ایک تندرست اور مقیم بھی چاہے تو روزے کا بدل ایک مسکین کو کھانا کھلا کر پورا کر سکتا ہے۔

بعض لوگوں نے اس مشکل سے بچنے کے لئے "یطیقونہ" کے معنی یہ لئے ہیں کہ "جو لوگ مشکل سے طاقت رکھتے ہوں" یہ معنی لے لینے سے اوپر کے اعتراضات تو رفع ہو جاتے ہیں اور کتب علیکم الصیام الآیہ کے ٹکڑے کا ایک محل نکل آتا ہے لیکن اس صورت میں مذکورہ بالا اعتراضات سے بھی بڑا اعتراض اس پر یہ وارد ہوتا ہے کہ "یطیقونہ" کے یہ معنی لغت میں ہیں بھی یا محض اپنے جی سے گھڑ لئے گئے ہیں۔ ہمارے نزدیک عربی لغت اس لفظ کے اس معنی سے بالکل خالی ہے۔ بعض لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ باب افعال کا ایک خاصہ سلب ماخذ بھی ہے اس وجہ سے "اطاقت" کے معنی طاقت نہ رکھنے کے بھی آ سکتے ہیں۔ ہمیں اس بات سے تو انکار نہیں ہے کہ باب افعال کے خواص میں سے سلب ماخذ بھی ہے لیکن خاصیات ابواب کا معاملہ جیسا کہ اہل علم جانتے ہیں قیاسی نہیں بلکہ سماعی ہے۔ اس وجہ سے اصل شے لفظ کا استعمال ہے۔ اگر اہل زبان نے اس لفظ کو مذکورہ معنی میں استعمال کیا ہو اور اس کی مثالیں موجود ہوں تب تو بلاشبہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس سے انکار کی گنجائش نہیں ہے۔ لیکن اگر اس معنی میں اس لفظ کے استعمال کی کوئی نظیر کلام عرب اور قرآن و حدیث میں موجود نہیں ہے تو محض اس مفروضہ پر کہ باب افعال کے خواص میں ایک خاصہ سلب ماخذ نامی بھی ہے۔ لفظ کو اثبات کے بجائے نفی کے معنی میں لے لینا عربی زبان پر بھی بہت بڑا ظلم ہے اور یہ چیز دین میں بھی ایک بہت بڑا فتنہ ہے۔ اگر کوئی صاحب اس اصول کو بے دھڑک استعمال کرنے لگ جائیں تو وہ دین کے ایک بہت بڑے حصہ کو آسانی سے امر و حکم کے بجائے نفی و نہی سے بدل سکتے ہیں۔

بعض کم سواد یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ کہنا کہ "فلاں شخص فلاں چیز کی طاقت رکھتا ہے" اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ اس چیز کی مشکل سے طاقت رکھتا ہے۔ یہ بات بالکل طفلانہ ہے اس وجہ سے اس کی تردید کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم تھوڑی دیر کے لئے یہ مان لیتے ہیں کہ طاقت رکھنے کے مفہوم میں مشکل کا یہ مضمون موجود ہے لیکن سوال یہ ہے کہ یہ طاقت آدمی کو تکالیف شرعیہ اور احکام دینیہ کے اٹھانے کا ذمہ دار بناتی ہے یا اس کو شریعت کی ذمہ داریوں سے بری قرار دیتی ہے۔ جہاں تک اسلامی شریعت کا تعلق ہے ہر شخص جانتا ہے کہ یہ طاقت آدمی کو مکلّف بناتی ہے نہ کہ اس کو بری قرار دیتی ہے۔ جب آپ یہ کہیں کہ میں فلاں چیز کی طاقت رکھتا ہوں تو اس کے واضح معنی یہی ہیں کہ آپ اس کے لئے مکلّف ہونے کے درجہ میں ہیں نہ کہ اس سے استثنا کے درجہ میں۔ قطع نظر اس سے کہ آپ اس کی طاقت آسانی سے رکھتے ہیں یا مشکل سے۔

پھر یہ امر بھی قابل غور ہے کہ اگر کہنا یہ تھا کہ "جو لوگ روزہ رکھنے کی مشکل سے طاقت رکھتے ہیں" تو اس کے لئے عربی زبان میں بیسوں اسلوب اور الفاظ نہایت معلوم و مشہور موجود ہیں جو اہل زبان استعمال کرتے ہیں۔ آخر ان کو چھوڑ کر قرآن نے ایک ایسا لفظ کیوں استعمال کیا جس کا استعمال اس معنی کے لئے کسی کو معلوم نہیں۔ اگر ایک شخص کہتا ہے کہ "أنا أطيق حمل السلاح" تو ہر شخص اس کا مطلب یہی سمجھے گا کہ وہ ہتھیار اٹھانے کی طاقت رکھتا ہے۔ یہ مطلب تو کوئی بھی نہیں سمجھے گا کہ وہ ہتھیار اٹھانے کی مشکل سے طاقت رکھتا ہے۔ اس وجہ سے مستحق ہے کہ اسے جہاد کی ذمہ داریوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے بری رکھا جائے۔ اسی طرح فرض کیجئے کہ کہا جائے "لنا طاقة بجالوت وجنوده" تو اس کا واضح مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ ہمیں جالوت اور اس کی فوجوں سے مقابلہ کرنے کی طاقت ہے۔ اگر اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ "ہمیں طاقت نہیں ہے یا ہم مشکل سے طاقت رکھتے ہیں" تب تو قرآن میں بنی اسرائیل کا جو قول نقل ہوا ہے کہ "لاطاقة لنا اليوم بجالوت وجنوده" اس میں لائے نفی کی مطلق ضرورت نہیں تھی بلکہ اثبات کی صورت میں ان کا مطلب صحیح طور پر ادا ہو جاتا ہے۔

بہر حال جن لوگوں نے "یطیقون" کے یہ معنی لئے ہیں انھوں نے بالکل غلط معنی لئے ہیں۔ لیکن یہ معنی اگر غلط ہیں تو اس کے معروف معنی لینے کی صورت میں آیت کی تاویل کیا ہوگی؟ (۲۴)

اس کے بعد مولانا اصلاحی نے وہ تاویل بیان کی ہے جو ان کے نزدیک اس آیت کی صحیح تاویل ہے۔ جہاں تک لفظ "یطیقون" کا تعلق ہے مولانا نے مندرجہ بالا سطور میں اس کے تمام پہلوؤں پر نہایت وضاحت سے روشنی ڈالی ہے اور کوئی گوشہ تشنہ نہیں چھوڑا ہے۔ مولانا نے جو کچھ لکھا ہے اس کو پڑھ کر صاف معلوم ہوتا ہے کہ لفظ کے استعمالات، مفسرین کے اقوال اور ائمہ لغت کی تصریحات یہ ساری چیزیں ان کے پیش نظر تھیں۔ چنانچہ اشخاص اور کتابوں کے نام لئے بغیر ایک ایک شبہ کا جواب اس تحریر میں دیدیا گیا ہے۔ لیکن اس لفظ کے سلسلہ میں چونکہ بعض مشہور مفسرین اور ادباء نے ٹھوکر کھائی ہے اس لئے ایک نظر کتب لغت پر ڈالتے ہیں پھر شواہد پیش کریں گے۔

کتب لغت پر ایک نظر

لغات کے اس مطالعہ میں تاریخی ترتیب ملحوظ رکھی گئی ہے۔

(۱) عربی کا پہلا لغت العین مصنفہ خلیل فراہیدی (۱۷۵ء) جسے لیث بن المظفر نے مکمل کیا، لفظ 'اطاق' سے خالی ہے۔ ابن درید (۳۲۱ء) کا جمهرة اللغة، ابو منصور ازهری (۳۷۰ھ) کا تہذیب اللغۃ، الصاحب بن عباد (۳۸۵) کا المحيط فی اللغه اور ابن فارس (۳۹۵ھ) کا مجمل اللغه، ان میں سے کسی نے بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس لفظ کی تشریح کی ضرورت محسوس نہیں کی کہ اس کا معنی معروف تھا۔

کتاب العین کے مطبوعہ نسخہ میں صرف اتنا لکھا ہے کہ لفظ 'طاقۃ' اسم ہے اور 'طوق' اس کا مصدر۔ اس کے بعد مشہور رجزیہ ابیات نقل کئے ہیں جن کا ایک مصرعہ ہے :

کل امرئ مجاهد بطوقه ۔(۲۵) ازہری نے لیث کے حوالہ سے اس رجز کی یہ شرح نقل کی ہے : کل امرئ مكلف ما أطاق۔(۲۶) یعنی ہر شخص اتنے ہی کا مکلّف ہے جتنا اس کے بس میں ہے۔ اس جملہ میں اطاق کا لفظ بھی آیا ہے اور مکلّف کا بھی اور اطاق صاف طور پر استطاعت کے معنی میں ہے۔

(۲) ابن فارس (۳۹۵ھ) نے جیسا کہ معلوم ہوا مجمل اللغه میں اس لفظ سے تعرض نہیں کیا لیکن ان کا دوسرا لغت مقاییس اللغة ایک منفرد لغت ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ مادہ کے مختلف مشتقات پر غور کر کے ان کے درمیان قدر مشترک تلاش کی جائے اور اس طرح مادہ کے ابتدائی معنی تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔ چنانچہ مادہ "طوق" کا اصل معنی ان کے نزدیک "احاطہ" ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ 'اطاق هذا الأمر إطاقة' اس لئے کہتے ہیں کہ جب کوئی شخص کسی امر پر قدرت رکھتا ہے تو گویا اس نے اس کا احاطہ کر لیا ہے اور وہ امر ہر طرف سے اس کے محاصرے میں ہے۔ (۲۷) ابن فارس کی تشریح سے یہ بات بالکل عیاں ہے کہ ان کے نزدیک 'اطاق' کے معنی کسی امر پر مکمل قدرت رکھنے کے ہیں۔

(۳) جوہری (۴۵۳ھ) نے اپنے نہایت مقبول لغت الصحاح میں لفظ اطاقہ کا اندراج اس طور پر کیا ہے :

الطوق: الطاقة ، وقد أطقت الشئ اطاقة ، وهو في طوقي أي وسعي (۲۸) جوہری نے مذکورہ بالا عبارت میں واضح طور پر طوق کے معنی طاقت اور 'وسع' کے لکھے ہیں اور اطاق کو 'جملہ' میں استعمال کر کے چھوڑ دیا کہ اس کا معنی معروف تھا اور بعد کے جملہ سے اس کی وضاحت بھی ہو رہی تھی۔

(۴) ابن سیدہ (۴۵۸ھ) نے المحکم میں صراحت سے لکھا کہ طوق

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اوراطاقۃ کے معنی قدرت کے ہیں :

الطوق والإطاقة: القدرة علی الشئ وقد طاقه طوقا واطاقه وأطاق علیه ۔والاسم: الطاقة۔(۲۹)

(۵) صغانی لاہوری (۶۵۰ھ) نے التکمله والذیل والصله میں جو دراصل جوہری کے لغت پر استدراک ہے، اس لفظ پر کچھ نہیں لکھا۔ گویا جوہری نے صحاح میں جو کچھ تحریر کردیا تھا اس پر ان کے نزدیک اضافہ کی کوئی ضرورت نہ تھی۔

(۶) فیومی (۷۰۷ھ) نے بھی المصباح المنیر میں واضح طور پر اطاقہ کے معنی قدرت لکھے ہیں : أطقت الشئ إطاقة: قدرت علیه فأنا مطیق، والاسم الطاقة۔(۳۰)

(۷) فیروزآبادی (۸۱۷ھ) نے بھی قاموس میں یہی معنی لکھے :

"الاطاقة: القدرة علی الشئ، وقد طاقه طوقا وأطاقه۔ وعلیه ، والاسم: الطاقة...... الطوق: الوسع والطاقة۔(۳۱)

(۸) مرتضٰی زبیدی بلگرامی (۱۲۰۵ھ) نے قاموس کی شرح تاج العروس میں مذکورہ بالا رجز کی شرح میں لیث کا قول نقل کرنے کے بعد لسان العرب سے لفظ طاقت کی وہ تعریف بھی نقل کردی ہے جو مفردات راغب سے ماخوذ ہے۔ لیکن لفظ 'اطاق' کی تشریح میں زبیدی نے بھی سلب ماخذ یا مشقت کے معنی کی طرف کوئی اشارہ نہیں کیا۔(۳۲)

راغب کی بیان کردہ تعریف جو ابن الاثیر (۶۰۶ھ) کی النهایة فی غریب الحدیث کے راستے لسان العرب میں داخل ہوئی وہ نہ مذکورہ رجز میں درست ہے اور نہ قرآن کریم میں۔ جیسا کہ گذر چکا ہے، شواہد آگے آتے ہیں۔

ممکن ہے یہاں کسی کو شبہ ہو کہ ہم نے عربی زبان کے مشہور لغت لسان العرب کی جانب رجوع نہیں کیا۔ اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ لسان العرب کوئی مستقل لغت نہیں ہے بلکہ چند مشہور لغات کا مجموعہ ہے۔ لسان میں جو کتابیں شامل ہیں وہ سب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس زمانے میں زیور طبع سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آچکی ہیں۔ چنانچہ کسی مسئلہ کی تحقیق کرنی ہو تو اب لسان العرب کے بجائے براہ راست اصل کتابوں کی جانب رجوع کرنا چاہئے۔ ہم نے اس مطالعے میں یہی کیا ہے۔

اس جائزہ سے واضح ہے کہ عربی کتب لغت اس امر پر متفق ہیں کہ لفظ 'اطاق' طاقت رکھنے اور قدرت رکھنے کے معنی میں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عربی زبان اس معنی سے جیسا کہ مولانا اصلاحی نے فرمایا یہی نہیں کہ بالکل خالی ہے بلکہ سارے شواہد اس کے معروف معنی کے حق میں ہیں۔

لفظ ''اطاقۃ'' اور ''طاقہ'' کے شواہد

نفی کے ساتھ اطاق کے استعمالات بہت ہیں جو اس کی دلیل ہیں کہ یہ فعل سلب ماخذ کا فائدہ نہیں دیتا ورنہ نفی کی ضرورت نہ ہوتی۔ مثبت طور پر یہ فعل صحیح احادیث اور کلام عرب میں کثرت سے استعمال ہوا ہے لیکن ہم یہاں صرف صحیحین اور مؤطا سے چند ایسی احادیث پیش کریں گے جن میں یہ لفظ آیت صیام کی طرح تکالیف شرعیہ کے سیاق میں آیا ہے:

۱۔ بنی اسد کی ایک خاتون حولاء بنت تُویت تھیں۔ ساری رات جاگتیں اور نمازیں پڑھتیں۔ ایک روز حضرت عائشہؓ کے پاس بیٹھی تھیں کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے پوچھا: کون ہے؟ حضرت عائشہؓ نے نام بتایا اور ان کی شب بیداری کا حال بیان کیا تو آپؐ نے فرمایا: اتنا ہی عمل کرو جس کی پابندی کر سکو۔

یہ حدیث متفق علیہ ہے۔ امام بخاری نے اسے دو جگہ نقل کیا ہے۔ کتاب الایمان میں اور کتاب التہجد میں۔ پہلی جگہ رسول ﷺ کے الفاظ یہ ہیں:

''مہ، علیکم بما تطیقون، فواللہ لایمل اللہ حتی تملوا'' (۳۳)

دوسری جگہ ہے: ''علیکم ماتطیقون من الاعمال......'' (۳۴)

صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ جب حضرت عائشہؓ نے ان خاتون کے بارے میں کہا: لاتنام اللیل (رات میں سوتی نہیں، یعنی ساری رات نمازیں پڑھتی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں) تو آپؐ نے ناپسند فرماتے ہوئے وہی الفاظ دہرائے لاتنام اللیل پھر فرمایا: خذوا من العمل ما تطیقون، فو اللہ لایسأم اللہ حتی تسأموا" (۳۵)

اس حدیث میں آنحضرت ﷺ ایسا عمل کرنے سے منع فرمار ہے ہیں جو آدمی جوش میں شروع کردے لیکن اس پر قائم رہنا آسان نہ ہو۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول ﷺ کے نزدیک سب سے پسندیدہ دینی عمل وہ تھا جس پر پابندی سے کاربند رہا جائے۔ چنانچہ فرمایا: ایسا عمل اختیار کرو جو (ہمیشہ) کرسکتے ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی قسم، تم اکتاجاؤ گے، اللہ تعالیٰ نہیں اکتائے گا۔

اگر لفظ "اطاقہ" میں مشقت کا شائبہ ہو تو گویا رسول اللہ ﷺ امت کو ایسے عمل کا حکم دے رہے ہیں جسے وہ آسانی سے انجام نہ دے سکیں، جبکہ امام بخاری نے باب ہی یہ باندھا ہے، 'باب مایکرہ من التشدید فی العبادۃ' یعنی عبادت میں شدت پسندی ناپسندیدہ ہے۔

امام مالک نے بھی موطا میں یہ واقعہ نقل کیا ہے اس میں الفاظ یہ ہیں:

اکلفوا من العمل مالکم بہ طاقۃ

زرقانی نے اس جملہ کی شرح میں لکھا ہے: "أی خذو اوتحملوا من العمل مالکم بالمداومۃ علیہ قوۃ" یعنی ایسا عمل اختیار کرو جس پر مداومت (ہمیشہ کرنے) کی تمہارے اندر قوت ہو۔ (۳۶)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ "ماتطیقون" اور" مالکم بہ طاقۃ" دونوں جملے ہم معنی ہیں اور لفظ طاقت میں امام راغب کی تعریف کے بر خلاف۔ مشقت کا پہلو ہرگز موجود نہیں۔ ورنہ اس حدیث میں اس لفظ کا استعمال قائل کی منشاء کے بر عکس ہو جائے گا۔

۲۔ ایک اور متفق علیہ حدیث میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مسلسل شب و روز روزے رکھنے سے منع فرمایا تو صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسولؐ آپ تو ایسا کرتے ہیں۔ آپؐ نے جواب دیا:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس باب میں تمہارا حال میرے جیسا نہیں ہے۔ رات میں میرا رب مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا: فاکلفو امن العمل ماتطیقون (۳۷) امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہؓ کی یہی روایت ایک اور سند سے بھی نقل کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: فاکلفوا مالکم به طاقة۔

اس حدیث کا مقصد بھی امت کو زحمت سے بچانا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے تاکید کی کہ اتنا ہی بوجھ اٹھایا جائے جس کے اٹھانے کی طاقت ہو۔ یہ حدیث بھی اس کی دلیل ہے کہ لفظ طاقت کے بارے میں امام راغب کا قول درست نہیں۔

۳۔ امام بخاری نے کتاب الایمان میں حضرت عائشہؓ کی روایت نقل کی ہے جس میں وہ فرماتی ہیں: کان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم إذا أمر هم أمرهم من الاعمال بما یطیقون ...... یعنی رسول اللہ ﷺ جب صحابہ کو حکم دیتے تو انہی کاموں کا حکم دیتے جن کو وہ کر سکتے ہوں۔ وہ عرض کرتے اے اللہ کے رسولؐ ہم آپ جیسے تو نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے اگلے اور پچھلے سب گناہ معاف کر دیئے ہیں۔ یہ سن کر آپ ایسا غصہ ہو جاتے کہ اس کا اثر روئے مبارک پر ظاہر ہو جاتا۔ پھر فرماتے: تم میں سب سے زیادہ پرہیز گار اور اللہ کو زیادہ جاننے والا میں ہوں! (۳۸)

صحابہ کا منشا یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے مقابلہ میں انھیں عبادت میں زیادہ انہماک اور سخت کوشی کی ضرورت ہے۔ اس لئے کہ آنحضرتؐ کے سارے گناہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی بخش دیئے ہیں۔ جبکہ صحابہ کا معاملہ ایسا نہیں ہے۔ لیکن نبیؐ صحابہؓ کو اس راہ سے بچاتے اور ایسے اعمال کا حکم نہ دیتے جو ان پر شاق گزریں۔

۴۔ صحیح مسلم کی کتاب الایمان میں ایک باب کا عنوان ہے: باب أنه سبحانه وتعالی لم یکلف إلا مایطاق یعنی اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو انہی اعمال کا مکلّف بنایا ہے جو اس کی استطاعت میں ہیں، اگر اطاقہ میں مشقت کا معنی شامل ہو تو ظاہر ہے مطلب الٹ جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے انہی کاموں کا مکلّف بنایا ہے جن کو آدمی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مشقت سے انجام دے سکتا ہو۔ یہ بات حقیقت کے بھی خلاف ہے اور اس باب کے بھی۔

اس باب کی پہلی حدیث حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: للہ مافی السموات وما فی الارض وإن تبدوا مافی أنفسکم اوتخفوہ یحاسبکم بہ اللّٰہ فیغفر لمن یشاء ویعذب من یشاء واللّٰہ علی کل شیٔ قدیر (سورہ بقرہ: ۲۸۴) تو صحابہ پر بہت شاق گذری۔ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دوزانو ہو کر عرض کیا: یا رسول اللّٰہ کلفنا من الاعمال مانطیق: الصلاۃ والصیام والجھاد والصدقۃ وقد أنزلت علیك ھذہ الآیۃ، ولا نطیقھا ......(۳۹)

یعنی اے اللہ کے رسول ﷺ اب تک ہم کو ایسے اعمال کا مکلف بنایا گیا جو ہماری استطاعت میں تھے مثلاً نماز، روزہ، جہاد، اب آپؐ پر یہ آیت نازل ہوئی جو ہماری طاقت سے باہر ہے۔

اس حدیث میں اطاقہ کا فعل مثبت اور منفی دونوں صورتوں میں استعمال ہوا ہے۔ اگر اس لفظ میں ایسی مشقت کا مفہوم موجود ہوتا جو تکالیف شرعیہ کے سقوط یا ان میں رخصت کا موجب ہوتا تو نماز، روزہ، جہاد اور صدقہ ساری عبادات کو ساقط ہو جانا چاہئے۔

۵۔ صحیح مسلم کتاب صلاۃ المسافرین میں حضرت عائشہؓ سے مروی ایک حدیث میں رسول کریم ﷺ کا یہ ارشاد نقل ہوا ہے: یا ایھا الناس علیکم من الاعمال ما تطیقون، فان اللہ یا یمل حتی تملوا وان احب الاعمال الی اللہ ما دوم علیہ وإن قل، وکان آل محمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم إذا عملوا عملا اثبتوہ۔

ترجمہ: اے لوگو اتنا ہی عمل کرو جتنے کی پابندی کر سکو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نہیں اکتائے گا البتہ تم اکتا جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے محبوب عمل وہ ہے جسے ہمیشہ کریں اگر چہ کم ہو۔ حضرت محمد ﷺ کے اہل خانہ کا یہی طریقہ تھا کہ جب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کوئی کام کرتے تو اس کی پابندی کرتے۔

امام نوویؒ 'تطیقون' کی تشریح میں لکھتے ہیں :ای تطیقون الدوام علیه بلا ضرر یعنی بغیر کسی ضرر کے جس کو پابندی کے ساتھ کر سکو۔اس کے بعد مزید فرماتے ہیں :

"یہ حدیث امت پر آنحضرت ﷺ کی مہربانی اور کمال شفقت کی دلیل ہے۔ اس میں آپؐ نے امت کو ایسی چیز کی طرف رہنمائی فرمائی ہے جو اس کی اصلاح کا ذریعہ ہو۔اور وہ ہے ایسا عمل جو بغیر کسی مشقت اور ضرر کے پابندی کے ساتھ انجام دیا جا سکے (وهو ما يمكنهم الدوام عليه بلا مشقة و لا ضرر) ایسے عمل میں آدمی کا جی لگتا ہے، نشاط قائم رہتا ہے۔ چنانچہ عبادت بطریق احسن انجام پاتی ہے۔بر خلاف ایسے عمل کے جو مشقت طلب ہو کہ آدمی کچھ روز بعد یا تو اسے مکمل ترک کر دیتا ہے یا اس کے کسی ایک حصہ کی ادائیگی پر قناعت کر لیتا ہے، یا زحمت اور بے دلی سے انجام دیتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس عمل کی بنا پر جو خیر کثیر اس کے حصہ میں آتا ہے اس سے وہ محروم ہو جاتا ہے۔"(۴۰)

امام نووی کی شرح سے بالکل واضح ہے کہ حدیث بالا میں "تطیقون" کا جو لفظ استعمال ہوا ہے اس میں مشقت کے بجائے سہولت کا معنی پایا جاتا ہے۔

۶۔ امام مسلم نے غلاموں کے ساتھ حسن سلوک پر حضرت ابو ہریرہؓ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا :"غلام کا یہ حق ہے کہ اس کو کھانا اور کپڑا دیا جائے اور وہی کام اس سے لیا جائے جو وہ کر سکتا ہو"۔

آپؐ کے الفاظ ہیں :للمملوك طعامه و كسوته، ولا يكلف من العمل إلا مايطيق۔(۴۱)

یہ حدیث غلاموں کے ساتھ نرمی کے برتاؤ کی تعلیم دیتی ہے۔اگر "یطیق" میں مشقت کا مفہوم شامل ہوتا تو یہ لفظ ہر گز اس موقع پر استعمال نہ کیا جاتا کیونکہ اس صورت میں حدیث کا مطلب الٹا یہ ہو جائے گا کہ غلاموں سے وہی کام لئے جائیں جو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مشقت طلب ہوں۔ حالانکہ اس کے برعکس کہنا یہ ہے کہ وہ کام لئے جائیں جنہیں وہ بآسانی کر سکتے ہوں۔ جیسا کہ حضرت ابوذرؓ کی حدیث سے واضح ہے جو اسی باب میں نقل ہوئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: "وہ تمہارے بھائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں تمہاری ماتحتی میں دیا ہے، تو جو تم کھاتے ہو انہیں کھلاؤ جو تم پہنتے ہو انھیں پہناؤ اور ایسے کام ان کے ذمہ نہ لگاؤ جو وہ نہ کر سکیں۔ اگر ایسا کوئی کام ہو تو اس میں تم ان کی مدد کرو۔" (۴۲)

۷۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت حذیفہؓ بن الیمان اور حضرت عثمان بن حنیف کو سواد عراق کی زمینوں کا خراج اور وہاں کے ذمیوں پر جزیہ متعین کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ امام بخاری نے حضرت عمر بن میمونؒ کی روایت نقل کی ہے کہ انھوں نے حضرت عمر کو شہادت سے چند روز قبل ان دونوں حضرات سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ: "أتخافان أن تكونا حملتما الأرض مالا تطيق ؟قالا: حملناها أمرا هي له مطيقة ......" یعنی یہ اندیشہ تو نہیں کہ تم نے وہاں کی زمین پر ایسا بار ڈالا ہو جو اس کی طاقت سے باہر ہو؟ ان دونوں صاحبان نے جواب دیا: ہم نے اس پر جو بار ڈالا ہے اس کا وہ (بخوبی) تحمل رکھتی ہے ......۔" حضرت عمر نے دوبارہ یہی سوال کیا اور ان صاحبان نے انہیں اطمینان دلایا کہ اس باب میں زیادتی نہیں ہوئی ہے۔ (۴۳)

حضرت عمرؓ کو یہ اندیشہ تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس زمین پر جتنا خراج لگایا گیا ہے وہ اس کی پیداوار سے زیادہ ہو۔ یہاں بھی "اطاقہ" کے لفظ میں "مشقت" کے بجائے سہولت کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ اس لئے کہ ان صاحبان نے جتنا خراج لگایا تھا زمین کی پیداوار کو دیکھتے ہوئے کم تھا۔ اس سے زیادہ خراج لگایا جاتا جب بھی ظلم نہ ہوتا لیکن اسلام سہولت اور نرمی کی تعلیم دیتا ہے۔ اس کی وضاحت اس روایت سے ہوتی ہے جو ابن ابی شیبہ نے نقل کی ہے جس میں حضرت حذیفہؓ کا یہ جواب نقل ہوا ہے کہ "اگر میں چاہتا تو اس زمین کا خراج دوگنا کر سکتا تھا۔" یعنی دوگنا کرنا عین انصاف ہوتا۔ حضرت عمرو بن میمون ہی سے مروی ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت عثمان بن حنیفؓ سے پوچھا کہ اگر تم ہر شخص کے جزیہ میں دو درہم اور ہر جریب زمین پر ایک درہم اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک قفیز غلہ کا اضافہ کردو تو کیا وہ ادا کر سکیں گے؟ تو حضرت عثمان نے اثبات میں جواب دیا۔(۴۴)

۸۔ مذکورہ بالا حدیث ہی میں آگے چل کر وہ وصیت نقل ہوئی ہے جو حضرت عمرؓ نے اپنے بعد آنے والے خلیفہ کو کی ہے۔ اس وصیت میں ذمیوں سے متعلق ایک جملہ یہ ہے: "ولا یکلفوا إلا طاقتھم" یعنی ان سے اتنا ہی جزیہ لیا جائے جتنا ان کی استطاعت میں ہو۔(۴۵) کتاب الجنائز کے الفاظ ہیں: "وان لایکلفوا فوق طاقتھم" (۴۶) یعنی ان کی طاقت سے زیادہ ان پر جزیہ نہ لگایا جائے۔ لفظ طاقت کا یہ استعمال بہت واضح ہے۔ اگر اس میں ایسی مشقت کا معنی ہوتا جو رخصت کا سبب ہو تو یہاں اس کا استعمال قطعاً بے محل ہوتا۔

۹۔ سورہ ممتحنہ میں مذکورہ حکم الہی کے مطابق رسول اللہ ﷺ خواتین سے بیعت لیتے کہ وہ شرک نہ کریں گی، چوری نہ کریں گی وغیرہ۔ امام مالک نے حضرت امیمہ بنت رقیقہ کی ایک حدیث نقل کی ہے جس میں وہ بیان کرتی ہیں کہ جب عورتیں ان باتوں کا اقرار کر چکیں تو حضورؐ نے فرمایا: "فیما استطعتنّ واطقتنّ" یعنی جہاں تک تمہاری استطاعت اور طاقت ہو، گویا بیعت کی پابندی استطاعت سے مشروط ہے۔ اس پر عورتوں نے کہا کہ اللہ اور اس کے رسول ہم سے زیادہ ہم پر مہربان اور شفیق ہیں۔(۴۷)

اس حدیث میں "استطاعت" اور "اطاقت" دونوں الفاظ ایک ہی سیاق میں آئے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کا محل استعمال شرعی احکام کی حد تک ایک ہے۔ ان کے درمیان لغوی فرق جو بھی ہو مگر یہ فرق اسی نوع کا ہوگا جو دو حلیف الفاظ کے درمیان ہوتا ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا کہ یہ دونوں الفاظ ایک دوسرے کے حریف اور ضد ہوں بایں طور کہ "استطاعت" تکالیف شرعیہ کے لئے شرط ٹھہرے اور "اطاقت" یا "طاقت" ان سے آزادی یا رخصت کا پروانہ بن جائے۔(۴۸)

مولانا امین احسن اصلاحی چاہتے تو تدبر قرآن میں لفظ اطاقت کی بابت مفسرین

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے اقوال، اہل لغت کے بیانات اور لفظ کے استعمالات ذکر کر کے ان پر تفصیل سے بحث کرتے لیکن اس کے بجائے انھوں نے اپنی تحقیق کا خلاصہ بلیغ اور مدلل انداز میں پیش کرنے پر اکتفا کیا کیونکہ پہلی صورت میں کتاب کی ثقالت اور ضخامت دونوں میں اضافہ ہوتا اور شاید یہ عظیم تفسیر ادھوری ہی رہ جاتی جو ایک زبردست علمی خسارہ ہوتا۔

حواشی

(۱) تدبر قرآن، فاران فاؤنڈیشن، لاہور، ۱۴۰۳ھ، جلد اول، ص ۴۱

(۲) مرجع سابق ۱: ۴۲

(۳) سورہ بقرہ آیات ۱۸۳-۱۸۵

(۴) تدبر قرآن ۱: ۴۴۳

(۵) تفسیر طبری، تحقیق، محمود شاکر، مکتبہ ابن تیمیہ، قاہرہ، ۳: ۴۱۸-۴۲۴

(۶) صحیح بخاری، دار السلام، ریاض، ۱۴۱۷ھ، کتاب التفسیر باب فمن شهد منکم الشهر فلیصمه، ص ۹۲۹

(۷) مرجع سابق، ص ۳۸۵

(۸) تفسیر طبری، ۳: ۴۲۴-۴۲۶

(۹) مرجع سابق، ۳: ۴۲۷-۴۲۹

(۱۰) تفسیر طبری، ۳: ۴۳۸، اہل کوفہ کے امام عربیت ابوزکریا الفراء (۲۰۷ھ) نے بھی یہ قول نقل کیا ہے۔ دیکھیے معانی القرآن، عالم الکتب، بیروت، ۱۴۰۳ء، جلد اول، ص ۱۱۲

(۱۱) مرجع سابق، ۳: ۴۳۸، حضرت ابن عباس سے یہ شاذ قراءت صحیح بخاری میں بھی نقل ہوئی ہے۔ ملاحظہ ہو کتاب التفسیر باب أیاما معدودات...... فتح الباری، دار الفکر، بیروت، ۸: ۱۷۹

(۱۲) تفسیر رازی، دار الفکر، بیروت، ۱۴۰۵ھ، جلد ۳، ص ۸۵، ابن قتیبہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۲۷۶ھ) نے صرف اسی قول کو نقل کیا ہے۔ دیکھئے غریب القرآن، تحقیق احمد صقر، دار الکتب العلمیة، بیروت، ۱۳۹۸ھ، ص ۲۷،

ابو اسحاق الزجاج (۳۱۱ھ) نے یہ قول نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ آیت اجماع اور نص قرآن کی رو سے منسوخ ہے۔ دیکھئے معانی القرآن و اعرابہ، تحقیق عبد الجلیل عبدہ شلبی، عالم الکتب، بیروت، ۱۴۰۸ھ، جلد اول، ص ۲۵۳

(۱۳) مثلاً دیکھئے تفسیر الجلالین، دار المعرفة، بیروت، ۱۴۰۴ھ، ص ۳۷

(۱۴) البحر المحیط، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۲ھ، جلد دوم، ص ۱۸۹

(۱۵) روح المعانی، شہاب الدین سید محمد آلوسی، ادارۃ الطباعة المنیریة، مصر، ۱۳۴۵ھ، جلد دوم، ص ۵۱

(۱۶) الکشاف، دار الریان للتراث، قاہرہ، ۱۴۰۷ھ، جلد اول، ص ۲۲۶

(۱۷) تفسیر رازی، ۳: ۸۶

(۱۸) مرجع سابق، ۳: ۸۵

(۱۹) لسان العرب، دار صادر، بیروت، ۱۹۵۶ء، جلد ۱۰، ص ۲۳۳

(۲۰) مفردات الفاظ القرآن، تحقیق صفوان داودی، دار القلم، دمشق، ۱۴۱۸ھ، ص ۵۲۲-۵۲۳

(۲۱) الفروق فی اللغة، دار الآفاق الجدیدة، بیروت، ۱۴۰۳ھ، ص ۱۰۳

(۲۲) ابو سلیمان الخطابی، غریب الحدیث، تحقیق عبد الکریم ابراہیم الغرباوی، جامعہ ام القری، مکہ مکرمہ، ۱۴۰۲ھ، جلد سوم، ص ۴۲

(۲۳) ابو موسیٰ المدینی الاصفہانی، المجموع المغیث فی غریبی القرآن والحدیث، تحقیق عبد الکریم ابراہیم الغرباوی، جامعہ ام القری، مکہ مکرمہ، ۱۴۰۶ھ، جلد دوم، ص ۲۷۲

(۲۴) تدبر قرآن، ۱: ۴۴۶-۴۴۸ مولانا فراہی نے اصول التاویل میں اس لفظ پر

© rasailojaraid.com